© rasailojaraid.com

کیا مدارس کے نصاب میں بڑی تبدیلیوں کی ضرورت ہے؟

مفتی عبدالغنی
رفیق شعبۂ تصنیف جامعہ فاروقیہ کراچی

برصغیر پاک وہند کی دھرتی پر پھیلے ہوئے مدارس دینیہ کا ابتدائی نصابی ڈھانچہ ہندوستان کے مشہور ومعروف اور بلند پایہ عالم ملا نظام الدین سہالوی کا مرتب کردہ ہے اور انہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کو ''درس نظامی'' کہا جاتا ہے، ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد جب مسلمان انتہائی مایوسی اور کسمپرسی کے عالم میں تھے، خصوصاً دین ومذہب کے حوالے سے ان کو شدید خطرات کا سامنا تھا تو دینی وملی تڑپ رکھنے والے اہل علم کی ایک عظیم جماعت نے دیوبند کی سرزمین پر ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی، کافی سوچ بچار اور غور وفکر کے بعد اس کے نصاب کے لئے چند تبدیلیوں اور ترمیمات کے ساتھ ''درس نظامی'' کا انتخاب کیا گیا، علوم عقلیہ کے ساتھ ساتھ اس میں بنیادی مقصد علوم دینیہ کی تعلیم وترویج تھا کہ اس کے فارغ التحصیل اسلامی مصادر ومراجع کو مدنظر رکھ کر دنیا کے سامنے اسلام کی صحیح ترجمانی اور صحیح خدوخال پیش کرسکیں، چنانچہ اس بات کا پوری طرح اس میں لحاظ بھی رکھا گیا، نصاب کا مقصد مختلف ومتنوع قسم کی معلومات فراہم کرنا نہیں ہوتا اور نہ زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھانا اس میں مقصود ہوتا ہے بلکہ نصاب کا اصل اور بنیادی مقصد اعلیٰ استعداد اور عمدہ صلاحیت پیدا کرنا ہوتا ہے تاکہ اس کے بل بوتے پر مستقبل میں اہداف ومقاصد کو حاصل کیا جاسکے اور مدارس کے نصاب ونظام میں اس اہم اور بنیادی نقطہ کا پورا پورا خیال رکھا گیا۔

چنانچہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۲۹۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی پہلی جماعت کی دستار بندی کی گئی، اس جماعت میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ بھی شامل تھے، اس کے جلسے میں بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے تقریر کی اور دارالعلوم کے مجوزہ نصاب پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی:

> ''جمیع علوم عقلیہ ونقلیہ اور ان کی استعدادوں کے حاصل کرنے کے لئے یہ مدرسہ اور سہارنپور کا مدرسہ بلاتأمل عمدہ سامان ہے اور انشاء اللہ یہاں کے طالب علم بشرطِ تکمیل، باقی علوم قدیمہ اور جدیدہ کو بوجہ قوت استعداد بسہولت جلد حاصل کرسکتے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ ان مدارس میں علاوہ تعلیم مذہبی غرضِ اعظم قوت استعداد کے فقط علوم دینیہ پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ فنونِ دانش مندی کی تکمیل بھی حسب قاعدہ سابقہ کی گئی ہے، جس کا عمدہ نتیجہ پہلے زمانوں میں یہ ہوا تھا کہ بڑے بڑے عالم اعلیٰ درجے کی استعداد اور قوت کے اہل اسلام میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بکثرت پیدا ہوئے، اس لئے ہم اس بات کو بالیقین سمجھتے ہیں کہ یہاں کے طالب علم اگرچہ بعض علوم وفنون جدیدہ سے کامیاب نہ ہوئے ہوں، پر ان کے حق میں یہ ان کی استعداد مثل استاد کامل تعلیم کے لئے کافی ہو"۔

قاسم العلوم والخیرات مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی تقریر کے مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مقصد کو پیش نظر رکھ کر ان بزرگوں نے اس نصاب ونظام کا انتخاب کیا تھا اور اس سے ان حضرات کے جو اہداف ومقاصد تھے، بعد کے حالات اس پر شاہد ہیں کہ وہ ان میں پورے پورے کامیاب نظر آئے، اس نصاب کی کوکھ سے نابغۂ روزگار اور اعلیٰ صلاحیتوں کی مالک بے شمار شخصیات نے جنم لیا، جنہوں نے دینی وعصری حوالے سے مشکل حالات اور فتنوں کی یلغار میں ملک وملت کی راہنمائی ودستگیری کی، جن میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، علامہ شبیر احمد عثمانی اور علامہ ظفر احمد عثمانی کے علاوہ علم وعمل کی دولت سے مالا مال سینکڑوں شخصیات کے اسمائے گرامی شامل ہیں، یہ وہ حضرات ہیں جو مدارس کی فضاؤں میں پلے، بڑھے اور اول تا آخر مدارس ہی کے ساتھ منسلک رہے۔

مدارس کا نصابِ تعلیم انسان میں پختہ استعداد اور اعلیٰ صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے اور ہمارا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ مدرسے کا متوسط استعداد وصلاحیت رکھنے والا فارغ التحصیل اسلامی علوم وفنون مثلاً فقہ واصول فقہ، حدیث واصولِ حدیث، تفسیر وعلوم قرآن اور رجال وتاریخ کی کتابوں سے باآسانی استفادہ کرسکتا ہے اور ان کتب سے استفادہ کرنے میں اسے دقت اور دشواری پیش نہیں آتی، اسلامی مصادر ومراجع اور ذخیرۂ کتب سے وہ صحیح نتائج اخذ کرسکتا ہے، کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ ہم نے درجہ خامسہ اور سادسہ کے طلبہ سے حدیث وفقہ اور رجال وتاریخ کی کتابوں سے تصنیف وتحقیق کے بعض امور میں مدد ومعاونت چاہی تو انہوں نے کتابوں سے نامانوسیت کے باوجود بسہولت وآسانی استفادہ کیا اور ہمیں مطلوبہ تعاون فراہم کیا۔

مدارس کا نصاب کبھی جامد نہیں رہا: تاہم یہ نصاب تعلیم ہے اور وقتی تقاضوں کے پیش نظر اس میں جزوی تبدیلیوں اور ترمیمات کی گنجائش ہے، ان وقتی اور جزوی تبدیلیوں کی اپنی اہمیت وافادیت ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، مدارس کے اربابِ حل وعقد کو اس کا احساس ہے اور وہ اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں، بلکہ بدلتے ہوئے وقت اور تقاضوں کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی ہوتا رہا ہے، چنانچہ درس نظامی کے ابتدائی نصابی ڈھانچے میں حدیث کی صرف ایک کتاب "مشکوۃ شریف" داخل نصاب تھی، لیکن اس وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر دار العلوم کے نصاب کا انتخاب کرنے والے اہل علم نے مجوزہ نصاب میں حدیث شریف کی چھ بڑی مشہور کتابوں (صحیح بخاری، سنن ابوداود، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ) کے علاوہ موطا امام مالک، موطا امام محمد اور طحاوی شریف کو بھی شامل کیا، بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بھی اس پر غور ہوتا رہا اور مختلف اہل علم حضرات اس کی طرف مفید سفارشات کے ذریعے توجہ دلاتے رہے ہیں، وقت کے ساتھ ساتھ ان پر عمل بھی ہوتا رہا ہے، مختلف تقاضوں اور ضروریات کو پیش نظر رکھ کر کئی ترمیمات وتبدیلیاں کی گئی ہیں، مثلاً درجہ اولیٰ میں داخلے کے لئے مڈل یا میٹرک کی شرط لگائی گئی ہے اور درجہ متوسطہ میں انگریزی کو لازمی قرار دیا گیا۔ درجہ خامسہ کے نصاب میں جدید علم کلام کی کتاب ''الانتباهات المفيدة في حل الاشتباهات الجديدة'' درجہ سادسہ میں ''شرح العقیدہ الطحاویہ'' اور درجہ سابعہ میں مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی تالیف ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' کو شامل کیا گیا، جدید مالیاتی نظام کے لئے مفید ''اسلام اور جدید سائنس'' ور قدیم فلکیات کی کتابیں نصاب سے خارج کر کے جدید فلکیات کی کتابیں داخل کی گئیں، قریب کے ادوار میں علمائے ندوہ نے عربی ادب کے حوالے سے قابل قدر اور بار آور خدمات سرانجام دی ہیں، ان کی ان کوششوں اور کاوشوں کو عرب وعجم کے علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا، مدارسِ دینیہ نے بھی اپنے نصاب میں ان کی تالیفات کو جگہ دی، چنانچہ قصص النبیین، القراءة الراشدہ، معلم الانشاء حصہ اول، دوم، سوم اور چہارم، اسی طرح حال ہی میں مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی شاندار ادبی تالیف ''مختارات من ادب العرب'' اور ان کے علاوہ ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر صاحب مدظلہ کی کتاب ''الطريقة العصرية'' کو بھی شاملِ نصاب کیا گیا، قدیم فلسفہ ومنطق کی کتابیں قاضی احمد اللہ، میر زاہد، شمس بازغہ وغیرہ اور حال میں سلم العلوم، ہدایت الحکمۃ اور میبذی کو نصاب سے خارج کیا گیا، ''التاریخ الاسلامی'' کے نام سے تاریخ کی ایک کتاب نصاب میں شامل کی گئی ہے اور فقہ کی مختلف کتابوں میں مفید ومناسب تبدیلیاں کی گئیں۔

فراغت کے بعد طلبہ کے لئے مدارس میں تخصص فی الفقہ کا نظام پہلے سے موجود تھا اور اس کے بہترین نتائج وثمرات امت کے سامنے آئے، اس سے فارغ ہونے والے مفتیانِ کرام نے عظیم اور گرانقدر علمی خدمات سرانجام دیں اور فقہی احکام ومسائل کے لحاظ سے معاشرے کی ضرورتوں کو پورا کیا، پیش آمدہ جدید حوادثات میں امت کی پوری، پوری رہنمائی کی، وقیع علمی تحقیقات پر مشتمل ان کے فتاوی جات کے کئی مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ زمانے کی ضرورت کے اور تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے مدارس کے اندر تخصص فی الحدیث، تخصص فی الأدب، تخصص فی الدعوت والإرشاد بھی شروع کیا گیا اور ان کے اچھے ثمرات سامنے آئے، ان کے علاوہ انگریزی، کمپیوٹر اور دیگر کئی شعبوں میں اسپیشل کورسز کا آغاز بھی ہو چکا ہے اور ان کو شروع کئے ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں اور یہ سلسلے، مسلسل بڑھ رہے ہیں!

لیکن یہ نصاب ونظام جب صحیح نتائج وثمرات فراہم کر رہا ہے اور اس کی ترتیب وتنفیذ محض جذباتی اور دفع الوقتی نہیں تھی بلکہ گہری سوچ وفکر رکھنے والے انتہائی دوربین حضرات نے کافی غور وخوض کے بعد اسے تجویز کیا تو اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کلی تبدیلیاں کرنا یا کلی تبدیلیوں کے لئے سفارشات مرتب کرنا صحیح نہ ہوگا، اور نہ اس نصاب سے گہری واقفیت وتعلق رکھنے والے حضرات اس طرح کی کسی سفارش کو قبول کریں گے۔

ہماری رائے میں مدارس کے نصاب ونظام کے متعلق ہر کہہ ومہ کو تبدیلیوں کی سفارشات مرتب کرنے کا حق نہیں پہنچتا، بلکہ اس تبدیلی کی سفارشات کے وہ لوگ اہل ہیں جنہوں نے نصاب کو مکمل پڑھا ہو اور وہ علم وکمال اور وسیع تجربہ بھی رکھتے ہوں۔ چنانچہ جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور دیگر کئی حضرات نے مدارس کے نصاب ونظام کی اصلاح کے حوالے سے لکھا اور مفید مشورے بھی دیئے، علمی حلقوں میں ان حضرات کی سفارشات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

مدرسے کے نصابِ تعلیم کا فارغ التحصیل اسلامی حکومت کے مختلف اداروں میں نمایاں کردار ادا کر سکتا ہے اوراس کے لئے مدارس میں رائج نصابِ تعلیم اس کی ضروریات پوری کرنے میں مکمل طور پر معاون ہوسکتا ہے، چنانچہ عصری تعلیم کے حامل وکلاء، ججز، قانون دانوں، معیشت دانوں اور بینکاروں کے پاس جو تعلیم ہوتی ہے وہی بلکہ اس سے بھی اچھے انداز میں مدرسے کے اس طالب علم وفاضل کے پاس ہوتی ہے جو اسلامی فقہ واصول فقہ اور احادیث نبویہ میں اسلامی قانون اور معاش ومعیشت کی تعمیر وترقی کے اصول پڑھ رہا ہوتا ہے، اب بھی بینکاری اور دیگر شعبوں میں وہی اصطلاحات رائج ہیں جو مدارس میں اسلامی فقہ کی کتابوں میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ ان کو بجائے عربی زبان کے انگریزی میں ڈھال دیا گیا ہے، بعد میں پیدا ہونے والی چند ایک اصطلاحات اس شعبے اور میدان میں کام کرنے کی وجہ سے سامنے آجاتی ہیں، اوراس میدان میں ہونے کی وجہ سے اس موضوع پر ہونے والے جدید کام کے متعلق معلومات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس پر انسان کا مطالعہ وسیع تر ہوجاتا ہے۔

ہماری بدقسمتی کہ مغرب اور انگریزی سے مرعوبیت کی وجہ سے اب تک ہمارے سرکاری اداروں کی دفتری زبان انگریزی چلی آرہی ہے جس کی وجہ سے مدارس کے فیض یافتگان کو میدان میسر نہ آنے کی وجہ سے ان کی وہ استعداد وصلاحیتیں سامنے نہیں آسکیں، جو نصاب کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور میدان وماحول میسر آنے کی وجہ سے نکھر کر سامنے آتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کی قومی وملی خدمات کا دائرہ کار اس طرح وسیع نہ ہوسکا جس طرح ہونا چاہیے تھا۔

لیکن ملی ومذہبی حوالے سے مدارس کے فضلاء کو جس میدان میں بھی خدمات کا موقع ملا، انہوں نے قابل ستائش اور نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اور اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی سرانجام دیا۔

چنانچہ اسلامی معاشرے کی تشکیل اور اصلاح میں مسجد ومدرسے کا اہم کردار ہوتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے مدینہ منورہ میں سب سے پہلے مسجد کی بنیاد ڈالی اور اسی میں صحابہ کرام کی تعلیم وتربیت کا کام جاری رہا، بعد کے ادوار میں بھی اسلام کی بقا اور تعمیر وترقی میں مساجد ومدارس کا اہم کردار رہا ہے، مسجد ومدرسے کے لئے مفتی ومدرس اور امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وخطیب بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، دنیا کے مختلف خطوں خصوصاً جنوبی ایشیا میں یہ دینی ضرورت برصغیر کے مدارس پوری کرر ہے ہیں اور معاشرے کو رجال کار کے طور پر امام، حافظ، قاری، مفتی، خطیب اور مدرّس مہیا کرر ہے ہیں، تاہم ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ نصاب صرف امام وخطیب یا حافظ وقاری تیار کرنے کے لئے مرتب نہیں کیا گیا تھا بلکہ اسلامی علوم وفنون کے ایک اہم جہت اور جامع نصاب کے طور پر مرتب کیا گیا تھا، چنانچہ قاسم العلوم والخیرات مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ بات پہلے بھی آچکی ہے اور تاریخ بھی اس پر شاہد ہے کہ اس کی کوکھ سے بلند پایہ محدثین، مفسرین، فقہاء اور اہل علم پیدا ہوئے جو علوم قرآن وحدیث کے اعلیٰ مباحث اور ہدایات نبوی کے حقائق ومعارف سے صحیح طور پر مستفید ہونے والے تھے، یہ نصاب ونظام ایسی صفات واوصاف کے حامل افراد ضرور تیار کرر ہا ہے جو امامت وخطابت جیسے عظیم اور اہم منصب کے واقعی مستحق اور حق دار ہوتے ہیں، اور مسجد ومدرسہ کے اہتمام وانصرام اور معاشرے کی دینی ضرورتوں کو صحیح طور پر پورا کرنے والے ہوتے ہیں۔

ہمارے معاشرے کی تقریباً اسی فیصد عوام سیدھی سادی اور عام فہم زبان استعمال کرتے ہیں، ان کو دین کے بنیادی ارکان اور مسائل واحکامات سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے، ان کے لئے زبان وبیان میں نہ بے جا انگلش کی پیوندکاری کی ضرورت پڑتی ہے، اور نہ مغربی وعالمی موضوعات کی گتھیاں سلجھانے اور اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر کے بارے میں معلومات اور اس کے تاریخی پس منظر کو بیان کرنے کی حاجت ہوتی ہے، بڑے شہروں میں بھی ایک بہت بڑا حلقہ دیہی علاقوں سے تعلق رکھتا ہے اور وہ بعد میں آکر شہروں میں آباد ہوا ہے، یہ لوگ بھی وہی سیدھی سادی زبان اور بود وباش اختیار کرتے ہیں، البتہ شہری سوسائٹی میں طبقہ اشرافیہ اور انگریزی تعلیم یافتگان کی ایک تعداد ہے، جو معاشرے کا تقریباً بیس فیصد ہے، آج کل صرف اس طبقہ اشرافیہ تک دین پہنچانے کو اسلام کی خدمت سمجھا جارہا ہے جب کہ دین اسلام ہر طبقہ کے لوگوں کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے، اس کی تعلیمات عمومی ہیں کسی طبقہ، فرد یا افراد کے لئے خاص نہیں، لیکن یہ طبقہ اشرافیہ بھی مدارس کی عام فہم زبان کو سمجھتا ہے، تاہم مدارس کے فضلاء میں ایک کثیر تعداد عصری تعلیم یافتہ طلبہ کی بھی ہوتی ہے جو عصری اداروں سے انٹر، گریجویٹ اور ایم اے اچھے نمبرات میں پاس کر کے مدارس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان کی تعداد زیادہ نہ ہو تو کم از کم تیس فیصد ضرور ہوتی ہے، ان میں ایک خاصی تعداد انگریزی زبان وتحریر پر بھی عبور رکھتی ہے، مدارس کے ایسے فیض یافتہ حضرات اس طبقہ اشرافیہ کی ضرورت کو بھی پورا کرسکتے ہیں جو انگریزی لکھنے، بولنے کو قابل فخر اور علم وکمال کا معیار سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی خاطر اپنی اچھی خاصی زبان کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

دین کی تبلیغ واشاعت اور صحیح ترجمانی کے لئے امت کو جید خطباء اور عمدہ بولنے والے بھی مدارس فراہم

© rasailojaraid.com

کررہے ہیں جن کی فصاحت و بلاغت اور زبان و بیان پر قادر الکلامی مسلّم ہے اور معاشرے کا ہر طبقہ ان سے مستفید ہو رہا ہے، چنانچہ دور حاضر میں پاکستان و جنوبی ایشیا کے مشہور و معروف خطیب مولانا طارق جمیل صاحب بھی انہی مدارس کے فیض یافتہ ہیں اور ان کی تعلیم و تربیت انہی دینی درسگاہوں کی چٹائیوں پر ہوئی ہے وہ اپنے بیان میں مدارس کی ٹھیٹھ اردو زبان استعمال کرتے ہیں، جس میں عربی و فارسی کے محاورات کا استعمال بھی ہوتا ہے، ان کے بیانات میں ہر طبقہ کے لوگ شامل ہوتے ہیں، طبقہ اشرافیہ اور عصری تعلیم سے تعلق رکھنے والے افراد کی بھی ایک بہت بڑی تعداد اس میں دلچسپی لیتی ہے۔

اسی طرح پاکستان قومی اسمبلی کے سابق قائد حزب اختلاف اور ایم ایم اے کے جنرل سیکرٹری مولانا فضل الرحمن صاحب کا تعلق بھی انہی دینی اداروں سے ہے، انہوں نے اور ان کے والد محترم حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ نے دینی مدارس و جامعات میں تعلیمی و تربیتی مراحل مکمل کئے اور بعد میں بھی مدارس کی فضاؤں کے ساتھ مکمل طور پر مربوط رہے، مولانا فضل الرحمن صاحب جب قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف کے منصب پر فائز ہوئے تو انہوں نے منصب سنبھالنے کے بعد قومی اسمبلی میں ابتدائی تقریر انتہائی فصیح و بلیغ، پرمغز اور عالمانہ زبان میں کی تھی اور اردو زبان کے کئی نامور ادیبوں نے ان کے اس بیان کی تعریف کی تھی، چنانچہ معنویت اور زبان و بیان کے حوالے سے ان کے اس خطاب کو ملکی سطح پر کافی سراہا گیا، جسٹس (ر) مفتی محمد تقی عثمانی بھی مدارس کی فضاؤں میں پلے بڑھے ہیں، ان کی تحریر و تقریر اور اصلاحی بیانات ہر طبقہ میں کافی مقبول ہیں، اردو، عربی اور انگریزی تحریر و بیان پر قدرت کے باوجود ان کے بیانات میں خالص اردو زبان کا استعمال ہوتا ہے، بلکہ وہ اردو میں انگلش کی بے جا پیوند کاری کو ناپسند کرتے ہیں اور انہوں نے اس کا اظہار اپنے اندلس کے سفرنامے میں بھی کیا ہے۔

اس کے برخلاف اگر سیاسی اور قومی قائدین اور مغربی درسگاہوں کے فضلاء کی زبان پر نظر کی جائے تو اس میں کم مائیگی اور سطحیت واضح طور پر جھلکتی ہے اور وہ اپنے ملک کی قومی زبان صحیح بولنے اور بیان کرنے سے عاجز نظر آتے ہیں، مثلاً محترمہ بے نظیر بھٹو مرحومہ کے انٹرویوز و بیانات کو لے لیں کہ ان میں ادائیگی، تعبیرات اور گرائمر کے حوالے سے کافی کمزوریاں پائی جاتی تھیں، ان کے انٹرویوز اور بیانات اس پر شاہد ہیں اور انہوں نے اپنی ایک مجلس میں اذان شروع ہونے پر پوچھا تھا کہ ''کیا اذان بج رہا ہے''؟...... اسی طرح پاکستان کے صدر جنرل پرویز مشرف بھی اپنے انٹرویوز و بیانات اور تقریروں میں جو زبان استعمال کرتے ہیں وہ انتہائی ناکارہ ہوتی ہے، حالانکہ وہ اس خطے کے ایک بہت بڑے لیڈر اور راہنما ہیں اور جس ملک کے وہ صدر ہیں اس کی قومی زبان اردو ہے، وہ اپنے ملک کی قومی زبان سے ساتھ وہ [illegible] نہیں رکھتے [illegible] صدر تو کیا ایک قومی [illegible] رکھنے والے عام شہری کے لئے بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضروری ہوتی ہے۔ لیکن اگر زبان و بیان کے حوالے سے اس طرح کی کمزوریاں اور فروگزاشتیں کسی عالم یا مدارس کے کسی فیض یافتہ کی ہوتیں تو اصلاحی طبقہ مدتوں اس کی مثالیں دیتا اور مدارس کے نصاب و نظام کو تبدیل کرنے کے لئے سفارشات اور دردمندانہ اپیلوں سے دریغ نہ کرتا۔

آج کل مدارس کے نصاب و نظام پر بہت کچھ لکھا جا رہا ہے اور اس کی اصلاح کی کوششیں ہو رہی ہیں، یہ سفارشات اگر نیک جذبہ، خیر خواہی اور ہمدردی کے تقاضوں کے تحت ہوں تو اہل علم کی طرف سے ان کا خیر مقدم کیا جائے گا، ہم نے پہلے بھی یہ بات عرض کی تھی کہ مدارس کے نصاب میں جزوی اور وقتی تبدیلیوں کی گنجائش ہے، بدلتے ہوئے وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اس کی اپنی اہمیت وافادیت ہوتی ہے، لیکن ان مثبت سفارشات کا طریقہ کار بھی مثبت ہو، ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبوں کے تحت انہیں پیش کیا گیا ہو، کسی پروپیگنڈے اور مرعوبیت کا اس میں دخل نہ ہو، اور نہ اس سے تنفر کی بدبو آئے کہ جس سے یہ بات محسوس ہو کہ اس تحریک کے پس پردہ ڈوری کوئی اور ہلا رہا ہے۔

اسی طرح اس موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے تمام پہلوؤں پر نظر بھی ہونی چاہیے، دیہاتوں یا دور دراز کے علاقوں میں کسمپرسی کے عالم میں قائم چند ایک اداروں کو دیکھ کر فیصلہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اعلیٰ سطح کے مدارس و جامعات کے نصاب و نظام سے بھی واقفیت ضروری ہے اور ہر پہلو پر غور کر کے قلم کو قرطاس کا راستہ دکھانا چاہیے، وگرنہ مدارس کے نظم و نسق اور اس میں نظامِ تعلیم سے نابلد اہل علم اس پر گفتگو کرتے ہوئے ٹھوکریں کھا سکتے ہیں اور اس میں بجائے اچھے نتائج کے، برے ثمرات کے مرتب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

لیکن دیکھا یہ جا رہا ہے کہ عام طور پر ترمیمات و تبدیلیوں کا مشورہ دینے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو یا تو مدارس کے نصاب و نظام سے واقف ہی نہیں ہوتے، یا پھر وہ مکاتب اور دیہاتوں میں چند معمولی قسم کے مدارس میں پڑھ کر سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اسی نقشے کو سامنے رکھ کر نصاب کی تبدیلی کی دردمندانہ اپیل کرتے ہیں، یا وہ لوگ ہوتے ہیں جو مدارس کے نصاب و نظام سے رسمی طور پر گزرے ہوتے ہیں، لیکن اس سے صحیح طور پر مستفید نہیں ہو پاتے، یا پھر وہ لوگ ہوتے ہیں جو نصاب و نظام سے بھی واقف ہوتے ہیں اور عمدہ استعداد و صلاحیت کے مالک بھی ہوتے ہیں، لیکن مرعوبیت اور احساس کمتری میں مبتلا ہوتے ہیں اور مرعوبیت ایک ایسا مرض ہے جس کا شکار اپنی ہر اچھی چیز کو برا سمجھنے لگتا ہے اور دوسرے کی بری بات اسے اچھی لگتی ہے اور وہ اس کے حصول میں سرگرداں ہو کر اپنی اچھی خاصی چال ڈھال بھی بھول جاتا ہے۔ ہماری رائے میں ایسے لوگ سفارشات کے اہل نہیں ہیں، ان کو اپنی سفارشات اور دردمندانہ اپیلوں کا رخ سرکاری و عصری تعلیمی اداروں کے قابل رحم اور تباہ شدہ نصاب و نظام کی اصلاح کی طرف کرنا چاہیے۔ ☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com